چاند اور میں

احمد فراز

چاند سے میں نے کہا ! اے مری راتوں کے رفیق
تو کہ سرگشتہ و تنہا تھا سدا میری طرح

انتساب

میں تیرا نام نہ لوں پھر بھی لوگ پہچانیں
کہ آپ اپنا تعارف ہوا بہار کی ہے

”گفت آں کہ یافت می نہ شود آنم آرزوست“

IqbalCyberLibrary All rights reserved ©2002-2006

ترتیب

دیباچہ
ہوئی ہے شام تو آنکھوں میں بس گیا پھر تو
وفا پرست صلیبیں
عجیب رت تھی کہ ہر چند پاس تھا وہ بھی
عقیدت
سچ کا زہر
ہر آشنا میں کہاں خوئے محرمانہ وہ
کون سا نام تجھے دوں
تیرے قریب آ کے بڑی الجھنوں میں ہوں
تخلیق
یہ کیسی رُت ہے
آنکھوں سے دور نہ ہو دل سے اتر جائے گا
کہہ دیا یاروں کو تسلیم نہیں کب کوئی عذر انکاری ہے
میں کیوں اداس نہیں
اب شوق سے کہ جاں سے گزر جانا چاہیے۔
گئی رُت
کردار
نظر بجھی تو کرشمے بھی روز و شب کے گئے
روزنا جرمن نژاد

بدن میں آگ ہے چہرہ گلاب جیسا ہے

فضا نورد بادل

کہا تھا کس نے تجھے آبرو گنوائے جا

نہ اب جواز نہ موقع ہے ہاتھ ملنے کا

گذرا ہوں جس طرف سے بھی پتھر لگے مجھے

میرے قلم پر رہی نوک جس کے خنجر کی

مزاج ہم سے زیادہ جدا نہ تھا اس کا

چلو اسی سے کہیں دل کا حال جو بھی ہو۔

تڑپ اٹھوں بھی تو ظالم تری دہائی نہ دوں

درد کی راہیں نہیں آساں ذرا آہستہ چل

گلہ نہ کر دل ویراں کی ناسپاسی کا

صحرا تو بوند کو بھی ترستا دکھائی دے

یہ دل کا چور کہ اس کی ضرورتیں تھیں بہت

سائے کی نہ خود سے بھی رم کر

دولت درد کو دنیا سے چھپا کر رکھنا

یاد آتا ہے تو کیوں اس سے گلہ ہوتا ہے

چاند اور میں

وارفتگی میں دل کا چلن انتہا کا تھا

لگا کے زخم بدن پر قبائیں دیتا ہے

چلے تھے یار بڑے زعم میں ہوا کی طرح

یہ کیا کہ سب سے بیاں دل کی حالتیں کرنی

فقیہ شہر کی مجلس سے کچھ بھلا نہ ہوا

دیباچہ

یہ قصہ پرانا ہے
جب بعض ہونٹوں نے چاہا
کہ لفظوں کو آواز کی زندگی دیں
تو خود ان کو زہراب پینا پڑے تھا
کہ اہل حکم یہ ڈر تھا
یہ الفاظ
آواز کی زندگی سے
کوئی داستاں بن نہ جائیں

……اور وہ ہونٹ چپ ہو گئے تھے
سسکتے تڑپتے ہوئے لفظ
قاتل کی شمشیر سے نیم جاں
مدتوں تک فراق صدا میں
دھڑکتے رہے ہیں
کسے کیا خبر تھی
کہ ان بسملوں کا لہو……قطرہ قطرہ
لکیروں کی صورت دمکتا رہے گا
اور اب یہ
لہو کی لکیریں

www.IqbalCyberLibrary.com

بجائے خود اک داستان بن گئی ہیں

www.IqbalCyberLibrary.com All rights reserved ©2002-2006

غزل

ہوئی ہے شام تو آنکھوں میں بس گیا پھر تو
کہاں گیا ہے مرے شہر کے مسافر تو

مری مثال کہ اک نخل خشک صحرا ہوں
ترا خیال کہ شاخ چمن کا طائر تو

میں جانتا ہوں کہ دنیا تجھے بدل دے گی
میں مانتا ہوں کہ ایسا نہیں بظاہر تو

ہنسی خوشی سے بچھڑ جا اگر بچھڑنا ہے
یہ ہر مقام پہ کیا سوچتا ہے آخر تو

فضا اداس ہے ، رت مضمحل ہے میں چپ ہوں
جو ہو سکے تو چلا آ کسی کی خاطر تو

فراز تو نے اسے مشکلوں میں ڈال دیا
زمانہ صاحب زر اور صرف شاعر تو

وفا پرست صلیبیں

وہ دن بھی یاد ہیں مجھ کو کہ جب مری دنیا
کہاں کے جسم کہ سایوں کو بھی ترستی تھی
پھرا ہوں کوچہ بہ کوچہ متاع درد لیے
اگرچہ خلق مری سادگی پہ ہنستی تھی

سدا جلاتی رہی ہے مجھے یہ محرومی
وہی تھا میں وہی صحرائے آرزو کے سراب
کوئی نہ تھا کہ میں جس کے حضور نذر کروں
یہ آنسوؤں کے چراغاں، یہ شاعری کے گلاب

یہ زخم وہ تھے جو فن کے لیے چراغ بنے
مرا شریک سفر بس مرا شعور رہا
کسی سے کر نہ سکا درد نارسا کا گلہ
وہ روز و شب تھے کہ تنہائیوں سے چور رہا

رہ طلب میں پھر اک یہ مقام بھی آیا
کہ دل گرفتہ ہے تو میری زندگی کے لیے
میں دیکھتا ہوں کہ تیری اداس آنکھوں میں
وفا کی آنچ لیے ہیں عقیدتوں کے دیئے

کسے عزیز نہ وہ گی تیری طلب کی لگن
ہزار دل پہ پڑی ہو غم زمانہ کی دھول
کسے غرور نہ ہو گا اگر تری چاہت
کھلائے دشت تمنا میں التفات کے پھول

مگر تجھے نہیں معلوم قربتوں کے الم
تری نگاہ مجھے فاصلوں سے چاہتی ہے
تجھے خبر نہیں شاید کہ خلوتوں میں مری
لہو اگلتی ہوئی زندگی کراہتی ہے

تجھے خبر نہیں شاید کہ ہم وہاں ہیں جہاں
یہ فن نہیں ہے اذیت ہے زندگی بھر کی
کبھی گلوئے جنوں پر کمند پڑتی ہے
کبھی قلم کی زباں پر ہے نوک خنجر کی

ہم اس قبیلۂ وحشی کے دیوتا ہیں کہ جو
پجاریوں کی عقیدت پہ پھول جاتے ہیں
اور ایک رات کے معبود صبح ہوتے ہی
وفا پرست صلیبوں پہ جھول جاتے ہیں

غزل

عجیب رت تھی کہ ہر چند پاس تھا وہ بھی
بہت ملول تھا میں ، اداس تھا وہ بھی

کسی کے شہر میں کی گفتگو ہواؤں سے
یہ سوچ کر کہ کہیں آس پاس تھا وہ بھی

ہم اپنے زعم میں خوش تھے کہ اس کو بھول چکے
مگر گماں تھا یہ بھی ، قیاس تھا وہ بھی

کہاں اب غم دنیا کہ اب غم جاں
وہ دن بھی تھے کہ ہمیں یہ راس تھا وہ بھی

فراز تیرے گریباں پہ کل جو ہنستا تھا
اسے ملے تو دریدہ لباس تھا وہ بھی

عقیدت

میں کتنی وارفتگی سے اسے سنا رہا تھا
وہ ساری باتیں وہ سارے قصے
جو اس سے ملنے سے پیش تر
میری زندگی کی حکایتیں تھیں

میں کہہ رہا تھا
کہ اور بھی لوگ تھے
جنہیں میری آرزو تھی مری طلب تھی
کہ جن میری محبتوں کا رہا تعلق
کہ جن کی مجھ پر عنایتیں تھیں

میں کہہ رہا تھا
کہ ان میں کچھ کو تو میں نے
جان سے عزیز جانا
مگر انہیں میں سے بعض کو
میرے بے دلی سے شکایتیں تھیں
میں ایک اک بات
ایک اک جرم کی کہانی
دھڑکتے دل کانپتے بدن سے سنا رہا تھا

مگر وہ پتھر بنی

مجھے اس طرح سے سنتی رہی

کہ جیسے مرے لبوں پر
کسی مقدس ترین صحیفے کی آیتیں تھیں

IqbalCyberLibrary
www.IqbalCyberLibrary
All rights reserved
©2002-2006

سچ کا زہر

تجھے خبر بھی نہیں

کہ تیری اداس ادھوری

محبتوں کی کہانیاں

جو بڑی کشادہ دلی سے

ہنس ہنس کے سن رہا تھا

وہ شخص تیری صداقتوں پر فریفتہ

باوفا ثابت قدم

کہ جس کی جبیں پہ

ظالم رقابتوں کی جلن سے

کوئی شکن نہ آئی

وہ ضبط کی کربناک شدت سے

دل ہی دل میں

خموش، چپ چاپ

مر گیا ہے۔

غزل

ہر آشنا میں کہاں خوئے محرمانہ وہ
کہ بے وفا تھا مگر دوست تھا پرانا وہ

کہاں سے لائیں اب آنکھیں اسے کہ رکھتا تھا
عداوتوں میں بھی انداز مخلصانہ وہ

جو ابر تھا تو اسے ٹوٹ کر برسنا تھا
یہ کیا کہ آگ لگا کر ہوا روانہ وہ

پکارتے ہیں مہ و سال منزلوں کی طرح
لگا ہے تو سن ہستی کو تازیانہ وہ

ہمیں بھی غم طلبی کا نہیں رہا یارا
ترے بھی رنگ نہیں گردشِ زمانہ وہ

اب اپنی خواہشیں کیا کیا اسے رلاتی ہیں
یہ بات ہم نے کہی تھی مگر نہ مانا وہ

یہی کہیں گے کہ بس صورت آشنائی تھی

جو عہد ٹوٹ گیا یاد کیا دلانا وہ

اس ایک شکل میں کیا کیا نہ صورتیں دیکھیں
نگار تھا نظر آیا نگار خانہ وہ

فراز خواب سی غفلت دکھائی دیتی ہے
جو لوگ جانِ جہاں تھے ہوئے فسانہ وہ

Iqbal Cyber Library All rights reserved ©2002-2006 www.paksociety.com

کون سا نام تجھے دوں؟

یوں بھی گزری ہے کہ جب درد میں ڈوبی ہوئی شام
گھول دیتی ہے مری سوچ میں زہر ایام
زرد پڑ جاتا ہے جب شہر نظر کا مہتاب
خون ہو جاتا ہے ہر ساعت بیدار کا خواب
ایسے لمحوں میں عجب لطف دل آرام کے ساتھ
مہرباں ہاتھ ترے ریشم و بلور سے ہاتھ

اپنے شانوں پہ مرے سر کو جھکا دیتے ہیں
جس طرح ساحل امید سے بے بس چہرے
دیر تک ڈوبنے والے کو صدا دیتے ہیں

یوں بھی گزری ہے کہ جب قرب کی سرشاری میں
چمک اٹھتا ہے نگاہوں میں ترے حسن کا شہر
نہ غم دہر کی تلچھٹ، نہ شب ہجر کا زہر
مجھ کو ایسے میں اچانک ترا بے وجہ سکوت
کوئی بے فیض نظر یا کوئی تلوار سی بات
ان گنت درد کے رشتوں میں پرو دیتی ہے
اس طرح سے کہ ہر آسودگی رو دیتی ہے

کون سا نام تجھے دوں مرے ظالم محبوب
تو ہی قاتل ہے مرا تو ہی مسیحا میرا

غزل

تیرے قریب آ کے بڑی الجھنوں میں ہوں
میں دشمنوں میں ہوں کہ ترے دوستوں میں ہوں

مجھ سے گریز پا ہے تو ہر راستہ بدل!
میں سنگ راہ ہوں تو سبھی راستوں میں ہوں

تو آ چکا ہے سطح پہ کب سے خبر نہیں
بے درد میں ابھی انہی گہرائیوں میں ہوں

اے یار خوش دیار تجھے کیا خبر کہ میں
کب سے اداسیوں کے گھنے جنگل میں ہوں

تو لوٹ کر بھی اہل تمنا کو خوش نہیں
میں لٹ کے بھی وفا کے انہیں قافلوں میں ہوں

بدلا نہ مرے بعد بھی موضوع گفتگو
میں جا چکا ہوں پھر بھی تری محفلوں میں ہوں

مجھ سے بچھڑ کر تو بھی تو روئے گا عمر بھر

یہ سوچ لے کہ میں بھی تری خواہشوں میں ہوں

تو ہنس رہا ہے مجھ پر مرا حال دیکھ کر
اور پھر بھی میں شریک ترے قہقہوں میں ہوں

خود بھی مثالِ لالۂ صحرا لہو لہو
اور خود فراز اپنے تماشائیوں میں ہوں

تخلیق

درد کی آگ بجھا دو کہ ابھی وقت نہیں
زخمِ دل جاگ سکے ، نشترِ غم رقص کرے
جو بھی سانسوں میں گھلا ہے اسے عریاں نہ کرو
چپ بھی شعلہ ہے مگر کوئی نہ الزام دھرے

ایسے الزام کہ خود اپنے تراشے ہوئے بت
جذبۂ کاوشِ خالق کو نگونسار کریں
موقلم حلقۂ ابرو کو بنا دے خنجر
لفظ نوحوں میں رقم مدحِ رخِ یار کریں
رقصِ مینا سے اٹھے نغمۂ رقصِ بسمل
ساز خود اپنے مغنی کو گنہگار کریں

مرہمِ اشک نہیں زخمِ طلب کا چارہ
خوں بھی روئے گے تو کس خاک کی سج دھج ہو گی
کانپتے ہاتھوں سے ٹوٹی ہوئی بنیادوں پر
جو بھی دیوار اٹھاؤ گے وہی کج ہو گی
کوئی پتھر ہو کہ نغمہ کوئی پیکر ہو کہ رنگ
جو بھی تصویر بناؤ گے اپاہج ہو گی

یہ کیسی رت ہے

یہ کیسی رت ہے
کہ ہر شجر
صحن گلستاں میں
ملول و تنہا سلگ رہا ہے
طیور چپ چاپ کب سے منقار زیر پر ہیں
ہوائیں نوحہ کناں
کہ اس باغ کی بہاریں
گئیں تو پھر لوٹ کر نہ آئیں

یہ کیسی رت ہے
نہ برف باری کے دن
کہ شاخوں کے پیرہن پر
سپیدۂ صبح کا گماں ہو
نہ فصل گل ہے
کہ ہر طرف شور جانفروشاں سے
کوئے محبوب کا سماں ہو
نہ دور پت جھڑ کا ہے
کہنہ بے جان کونپلو کو
امید فردائے مہرباں ہو

یہ کیسی رت ہے
کوئی تو بولے
کوئی تو دھڑکے
کوئی تو بھڑکے

www.IqbalCyberLibrary.net
All rights reserved
©2002-2006

www.iqbalcyberlibrary.net

غزل

آنکھ سے دور نہ ہو دل سے اتر جائے گا
وقت کا کیا ہے گزرتا ہے گزر جائے گا

اتنا مانوس نہ ہو خلوت غم سے اپنی
تو کبھی خود کو بھی دیکھے گا تو ڈر جائے گا

ڈوبتے ڈوبتے کشتی کو اچھالا دے دوں
میں نہیں کوئی تو ساحل پہ اتر جائے گا

زندگی تری عطا ہے تو یہ جانے والا
تیری بخشش تری دہلیز پہ دھر جائے گا

ضبط لازم ہے مگر دکھ ہے قیامت کا فرازؔ
ظالم اب کے بھی نہ روئے گا تو مر جائے گا

غزل

کب یاروں کو تسلیم نہیں کب کوئی عدو انکاری ہے
اس کوئے طلب میں ہم نے دل نذر کیا جاں واری ہے

جب ساز سلاسل بجتے تھے ہم اپنے لہو سے سجتے تھے
وہ رسم ابھی تک باقی ہے یہ رسم ابھی تک جاری ہے

کچھ اہل ستم کچھ اہم چشم میخانہ گرانے آئے تھے
دہلیز کو چوم کے چھوڑ گئے دیکھا کہ یہ پتھر بھاری ہے

جب پرچم جاں لے کر نکلے ہم خاک نشیں مقتل مقتل
اس وقت سے لے کر آج تلک جلاد پہ ہیبت طاری ہے

زخموں سے بدن گلزار سہی پر ان کے شکستہ تیر گنو
خود ترکش والے کہہ دیں گے یہ بازی کس نے ہاری ہے

ہم سہل انگار سہی لیکن کیوں اہل ہوس یہ بھول گئے
یہ خاک وطن ہے جان اپنی اور جان تو سب کو پیاری ہے

میں کیوں اداس نہیں

(جنگ ستمبر ۶۵ء کے موقع پر لکھی گئی)

لہولہان مرے شہر میرے یار شہید
مگر یہ کیا کہ مری آنکھ ڈبڈبائی نہیں
نظر کے زخم جگر تک پہنچ نہیں پائے
کہ مجھ منزل اظہار تک رسائی نہیں
میں کیا کہ پشاور سے چاٹگام تلک
مرے دیار نہیں تھے کہ میرے بھائی نہیں

وہی ہوں میں مرا دل بھی وہی جنوں بھی ہو
کس پہ تیر چلے جاں فگار اپنی ہو
وہ ہیروشیما ہو ، ویت نام ہو کہ بٹ مالو
کہیں بھی ظلم ہو آنکھ اشکبار اپنی ہو
یہی ہے فن کا تقاضا یہی مزاج مرا
متاع درد سبھی پر نثار اپنی ہو

نہیں کہ درد نے پتھر بنا دیا ہے مجھے
نہ یہ کہ آتش احساس سرد ہے میری
نہیں کہ خون جگر سے تہی ہے میرا قلم
نہ یہ کہ لوح وفا برگِ زرد ہے میری

گواہ ہیں میرے احباب میرے شعر ثبوت
کہ منزل رسن و دار گرد ہے میری

بجا کہ امن کا بربط اٹھائے آج تلک
ہمیشہ گیت محبت کے گائے ہیں میں نے
عزیز ہے مجھے معصوم صورتوں کی ہنسی
بجا کہ پیار کے نغمے سنائے ہیں میں نے
چھڑک کے اپنا لہو اپنے آنسوؤں کی پھوار
ہمیشہ جنگ کے شعلے بجھائے ہیں میں نے

میں سنگدل ہوں نہ بیگانۂ وفا یارو
نہ یہ کہ میں ہوں کسی خواب زار میں کھویا
تمہیں خبر ہے کہ دل پر خراش جب بھی لگے
تو بند رہ نہیں سکتا مرا لب گویا

وہ مرگ ہم نفساں پہ حزیں نہیں ہے تو کیوں
جو فاطمی و لولمبا کی موت پر رویا

دلاورانِ وفا کیش کی شہادت پر
مرا جگر بھی لہو ہے یہ وقف یاس نہیں
سیالکوٹ کے مظلوم ساکنوں کے لیے

جز آفریں کے کوئی لفظ میرے پاس نہیں
میں کیسے خطۂ لاہور کے پڑھوں نوحے
یہ شہر زندہ دلاں آج بھی اداس نہیں

جنوں فروغ ہے یارو عدو کی سنگ زنی
ہزار شکر کے معیارِ عشق پست نہیں
مناؤ جشن کہ روشن ہیں مشعلیں اپنی
دریدہ سر ہیں تو کیا غم شکستہ دست نہیں
مرے وطن کی جبیں پر دمک رہا ہے جو زخم
وہ نقشِ فتح ہے داغِ غمِ شکست نہیں

"گریز از صفِ ماہر کہ مرد غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست"

غزل

اب شوق سے کہ جاں گزر جانا چاہیے
بول اے ہوائے شہر کدھر جانا چاہیے

کب تک اسی کو آخری منزل کہیں گے ہم
کوئے مراد سے بھی ادھر جانا چاہیے

وہ وقت آ گیا ہے کہ ساحل کو چھوڑ کر
گہرے سمندروں میں اتر جانا چاہیے

اب رفتگاں کی بات نہیں کارواں کی ہے
جس سمت بھی ہو گردِ سفر جانا چاہیے

کچھ تو ثبوتِ خونِ تمنا کہیں ملے
ہے دل تہی تو آنکھ کو بھر جانا چاہیے

یا اپنی خواہشوں کو مقدس نہ جانتے
یا خواہشوں کے ساتھ ہی مر جانا چاہیے

گئی رُت

پھر آ گئی رت تمہیں خبر بھی نہیں
خبر مجھے بھی نہیں تھی کہ رات پچھلے پہر
کسی نے مجھ سے کہا جاگ اے دریدہ جگر
نشتر ہے سر دہلیز کوئی بام نشیں

بدل چکا تھا سبھی کچھ تمہارے جاتے ہی
فلک کا چاند ، زمین کے گلاب راکھ ہوئے
وہ راکھ خواب ہوئی پھر وہ خواب راکھ ہوئے
تم آ سکو تو میں سمجھوں تمہارے آتے ہی

ہر ایک نقش وہی آج بھی ہے جو کل تھا
یہ راکھ خواب بنے خواب سے گلاب بنے
ہر ایک ستارۂ مژگان سے مہتاب بنے
برس فراق کا جیسے وصال کا پل تھا

کردار

ہم ابھی ایستادہ تھے
اب سے کچھ پہلے
وفا کے فرش پائیدہ پہ
خوش وقتی کے رنگین شامیانوں کے تلے
اپنے ہاتھوں میں قرار و قول کی شمعیں لیے
آندھیوں میں زلزلوں میں
تا قیامت ساتھ دینے کے لیے
آمادہ تھے
ایک دوسرے کے اس قدر دلدادہ تھے

دیکھنے والوں میں شامل
یار بھی اغیار بھی
چند آنکھوں میں نمی
چند آنکھوں میں حقارت، برہمی
چند آنکھوں میں سکوتِ الہی
جم گئے سائے ادھر
اور کانپ اٹھی اس طرف دیوار بھی
دشمنوں کو بھی یقیں
اور بدگماں کچھ ہم نشیں...... غم خوار بھی

IqbalCyberLibrary All rights reserved ©2002-2006 www.paksociety.com

دیکھنے والوں نے دیکھا

کس طرح صدیاں اچانک
ثانیوں میں بٹ گئیں
شامیانوں کی طنابیں کٹ گئیں
بجھ گئیں شمعیں قرار و قول کی
فرشِ وفا کی سخت و پائندہ سلیں بھی پھٹ گئیں
اور دو پیکر
خود اپنے خنجروں کے وار سے
خاک و خوں میں تر بتر
فرش پر افتادہ تھے
ہم ابھی ایستادہ تھے

غزل

نظر بجھی تو کرشمے بھی روز و شب کے گئے
کہ اب تلک نہیں آئے ہیں لوگ جب کے گئے

سنے گا کون تری بے وفائیوں کا گلہ
یہی ہے رسم زمانہ تو ہم بھی اب کے گئے

مگر کسی نے ہمیں ہم سفر نہیں جانا
یہ اور بات کہ ہم ساتھ ساتھ سب کے گئے

اب آئے ہو تو یہاں کیا ہے دیکھنے کے لیے
یہ شہر کب سے ہے ویراں وہ لوگ کے گئے

گرفتہ دل تھے مگر حوصلہ نہ ہارا تھا
گرفتہ دل ہیں مگر حوصلے بھی اب کے گئے

تم اپنی شمع تمنا کو رو رہے ہو فرازؔ
ان آندھیوں میں تو پیارے چراغ سب کے گئے

روزنا جرمن نژاد

روزنا جرمن نژاد

اس کے ہونٹوں میں حرارت

جسم میں طوفان

برہنہ پنڈلیوں میں آگ

نیت میں فساد

رنگ و نسل و قامت قد

سرزمین و دین کے سب تفرقوں سے بے نیاز

ہر کسی سے بے تکلف ایک حد تک دلنواز

وہ سبھی کی ہم پیالہ ہم نفس

عمر شاید بیس سے اوپر برس یا دو برس

روزنا جرمن نژاد

اور دیکھنے والوں میں سب

اس کی آسودہ نگاہی بے محابا میگساری کے سبب

پیکر تسلیم و سرتا پا طلب

ان میں ہر اک متاع گل

بہائے التفات نیم شب

روزنا جرمن نژاد

اور اس کا دل زخموں سے چور

اپنے ہمدردوں سے ہمسایوں سے دور
گھر کی دیواریں نہ دیواروں کے سایوں کا سرور
جنگ کے آتشکدے کے رزق کب سے بن چکا
ہر آہنی بازو کا خوں
ہر چاند کے چہرے کا نور

خلوتیں خاموش و ویراں
اور ہر دہلیز پر اک مضطرب مرمر کا بت
ایستادہ ہے بچشم ناصبور
کون ہے اپنوں میں باقی
توسنِ راہ طلب کا شہسوار
ہر دریچے کا مقدر انتظار

اجنبی مہماں کی دستکِ خواب
شاید خواب کی تعبیر بھی
چند لمحوں کی رفاقت جاوداں بھی
حسرت تعمیر بھی
الوداعی شام، آنسو، عہد و پیماں
مضطرب صیاد بھی نخچیر بھی
کون کر سکتا ہے ورنہ ہجر کے کالے سمندر کو عبور
اجنبی مہماں کا اک حرف وفا

نومید چاہت کا غرور
روزنا اب اجنبی کے ملک میں خود اجنبی
پھر بھی چہرے پر اداسی ہے نہ آنکھوں میں تھکن
اجنبی کا ملک جس میں چار سو
تاریکیاں ہی خیمہ زن
سب کے سایوں سے بدن
روزنا مرمر کا بت
اور اس کے گرد
ناچتے سائے بہت
سب کے ہونٹوں پر وہی حرفِ وفا
ایک ہی سب کی صدا
وہ سبھی کی ہم پیالہ ہم نفس
عمر شاید بیس سے اوپر برس یا دو برس
اس کی آنکھوں میں تجسس اور بس

غزل

بدن میں آگ سے چہرہ گلاب جیسا ہے
کہ زہر غم کا نشہ بھی شراب جیسا ہے

وہ سامنے مگر تشنگی نہیں جاتی
یہ کیا ستم ہے کہ دریا سراب جیسا ہے

کہاں وہ قرب کہ اب تو یہ حال ہے جیسے
ترے فراق کا عالم بھی خواب جیسا ہے

مگر کبھی کوئی دیکھے کوئی پڑھے تو سہی
دل آئینہ ہے تو چہرہ گلاب جیسا ہے

بہارِ خوں سے چمن زار بن گئے مقتل!
جو نخل دار ہے شاخِ گلاب جیسا ہے

فراز سنگ ملامت ہے زخم زخم سہی
ہمیں عزیز ہے خانہ خراب جیسا ہے

غزل

کہا تھا کس نے تجھے آبرو گنوانے جا
فراز اور اسے حال دل سنانے جا

کل اک فقیر نے کس سادگی سے مجھ سے کہا
تری جبیں کو بھی ترسیں گے آستانے جا

اسے بھی ہم نے گنوایا تری خوشی کے لیے
تجھے بھی دیکھ لیا ہے ارے زمانے جا

بہت ہے دولت پندار پھر بھی دیوانے
جو تجھ سے روٹھ چکا ہے اسے منانے جا

سنا ہے اس نے سوئمبر کی رسم تازہ کی
فراز تو بھی مقدر کو آزمانے جا

غزل

نہ اب جواز نہ موقع ہے ہاتھ ملنے کا
ہمیں کو شوق ہے راستے بدلنے کا

پہنچ گئے سرِ منزل بخوبی قسمت
مگر وہ لطف کہاں ساتھ ساتھ چلنے کا

میں آپ اپنے ہی پندار کے حصار میں ہوں
بجز شکست کہاں راستہ نکلنے کا

وہ ساعتیں تو ہواؤں کے ساتھ جا بھی چکیں
نظر میں اب بھی ہے منظر چراغ جلنے کا

وہ سرد مہر سہی پر نگاہِ لطف کے بعد
فراز دیکھ سماں برف پگھلنے کا

غزل

گزرا ہوں جس طرف سے بھی پتھر لگے مجھے
ایسے بھی کیا تھے لعل و جواہر لگے مجھے

لو ہو چکی شفا کہ مداوائے دردِ دل
اب تیری دسترس سے بھی باہر لگے مجھے

ترسا دیا ہے ابر گریزاں نے اس قدر
برسے جو بوند بھی تو سمندر لگے مجھے

تھامے رہو گے جسم کی دیوار تاب کے
یہ زلزلہ تو روح کے اندر لگے مجھے

گر روشنی یہی ہے تو اے بدنصیب شہر
اب تیرگی ہی تیرا مقدر لگے مجھے

منزل کہاں کی زاد سفر کی کو بچائیو
اب رہزنوں کی نیتِ رہبر لگے مجھے

وہ مطمئن کہ سب کی زباں کاٹ دی گئی

ایسی خموشیوں سے مگر ڈر لگے مجھے

وہ قحطِ حروف حق ہے کہ اس عہد میں فراز
خود سا گہنگار پیمبر لگے مجھے

www.IqbalCyberLibrary.net All rights reserved ©2002-2006

غزل

مرے قلم پہ رہی نوک جس کے خنجر کی
سنا ہے اس کی زبان بھی ہوئی ہے پتھر کی

رواں ہے قلزم خوں اندروں شہر بھی دیکھ
کہ خوش نما تو بہت ہے فصیل باہر کی

اجاڑ پیڑ گئے موسموں کو روتے ہیں
ہر آبجو کو ہوس پی گئی سمندر کی

فقیہ شہر جبیں پہ کلاہ زر رکھے
سنا رہا ہے ہمیں آیتیں مقدر کی

خود اپنے خوں میں نہائے ہوئے مگر چپ ہیں
یہ لوگ ہیں کہ چٹانیں ہیں سرخ پتھر کی

وہ ایک شخص کہ سورج کے روپ میں آیا
چرا کے لے گیا شمعیں فراز ہر گھر کی

غزل

مزاج ہم سے زیادہ جدا نہ تھا اس کا
جب اپنے طور یہی تھے تو کیا گلہ اس کا

وہ اپنے زعم میں تھا بے خبر رہا مجھ سے
اسے گماں بھی نہیں میں نہیں رہا اس کا

وہ برق رو تھا مگر رہ گیا کہاں جانے
اب انتظار کریں گے شکستہ پا اس کا

چلو یہ سیل بلاخیز ہی بنے اپنا
سفینہ اس کا ، خدا اس کا ، ناخدا اس کا

یہ اہل درد بھی کس کی دہائی دیتے ہیں
وہ چپ بھی ہو تو زمانہ ہے ہمنوا اس کا

ہمیں نے ترک تعلق میں پہل کی کہ فراز
وہ چاہتا تھا مگر حوصلہ نہ تھا اس کا

غزل

چلو اسی سے کہیں دل کا حال جو بھی ہو
وہ چارہ گر تو ہے اس کو خیال جو بھی ہو

اسے کے درد سے ملتے ہیں سلسلے جاں کے
اسی کے نام لگا دو ملال جو بھی ہو

مرے نہ ہار کے ہم قیس و کوہکن کی طرح
اب عاشقی میں ہماری مثال جو بھی ہو

یہ رہگذر پہ جو شمعیں دمکتی جاتی ہیں
اسی کا قامت زیبا ہے چال جو بھی ہو

فراز اس نے وفا کی کہ بے وفائی کی
جواب وہ تو ہمیں ہیں سوال جو بھی ہو

غزل

تڑپ اٹھوں بھی تو ظالم تری دہائی نہ دوں
میں زخم زخم ہوں پھر تجھے دکھائی نہ دوں

ترے بدن میں دھڑکنے لگا ہوں دل کی طرح
یہ اور بات کہ اب بھی تجھے سنائی نہ دوں

خود اپنے آپ کو پرکھا تو یہ ندامت ہے
کہ اب کبھی اسے الزام بے وفائی نہ دوں

مری بقاء ہی مری خواہش گناہ میں ہے
میں زندگی کو کبھی زہر پارسائی نہ دوں

جو ٹھن گئی ہے تو یاری پر حرف کیوں آئے
حریف جان کو کبھی طعن آشنائی نہ دوں

مجھے بھی ڈھونڈ کبھی محو آئینہ داری
میں تیرا عکس ہوں لیکن تجھے دکھائی نہ دوں

یہ حوصلہ بھی بڑی بات ہے شکست کے بعد

کہ دوسروں کو تو الزام نارسائی نہ دوں

فراز دولت دل متاع محرومی
میں جام جم کے عوض کاسۂ گدائی نہ دوں

www.IqbalCyberLibrary All rights reserved ©2002-2006

غزل

درد کی راہیں نہیں آساں ذرا آہستہ چل
اے سبک رو، اے حریف جاں ذرا آہستہ چل

منزلوں پر قرب کا نشہ ہوا ہو جائے گا
ہمسفر وہ ہے تو اے ناداں ذرا آہستہ چل

نامرادی کی تھکن سے جسم پتھر ہو گیا
ا سکت کیسی دل ویراں ذرا آہستہ چل

جام سے لب تک ہزاروں لغزشیں ہیں خوش نہ ہو
اب بھی محرومی کا ہے امکاں ذرا آہستہ چل

ہر تھکا ہارا مسافر ریت کی دیوار ہے
اے ہوائے منزلِ جاناں ذرا آہستہ چل

اس نگر میں زلف کا سایہ نہ دامن کی ہوا
اے غریب شہر ناپرساں ذرا آہستہ چل

آبلہ پا تجھ کو کس حسرت سے تکتے ہیں فراز

کچھ تو ظالم پاسِ ہمراہاں ذرا آہستہ چل

IqbalCyberLibrary
WWW.IqbalCyberLibrary
All rights reserved
©2002-2006

غزل

گلہ نہ کر دل ویراں کی ناسپاسی کا
ترا کرم ہی سبب بن گیا اداسی کا

ملول کر گئی ویران ساعتوں کی صدا
چمن میں جی نہ لگا جنگلوں کے باسی کا

بھرم کھلا ہے کہ جب اس سے ہم کلام ہوئے
ہمیں بھی زعم تھا پیارے سخن شناسی کا

شکست عہد کوئی ایسا سانحہ تو نہ تھا
تجھے بھی رنج ہوا بات اک ذرا سی کا

فراز آج شکستہ پڑا ہوں بت کی طرح
میں دیوتا تھا کبھی ایک دیوداسی کا

غزل

صحرا تو بوند کو بھی ترستا دکھائی دے
بادل سمندروں پہ برستا دکھائی دے

اس شہر غم کو دیکھ کے دل ڈوبنے لگا
اپنے پہ ہی سہی، کوئی ہنستا دکھائی دے

اے صدر بزم مے تری ساقی گری کی خیر
ہر دل بسان شیشہ شکستہ دکھائی دے

گر مے نہیں تو زہر ہی لاؤ کہ اس طرح
شاید کوئی نجات کا رستہ دکھائی دے

اے چشم یار تو بھی تو کچھ دل کا حال کھول
ہم کو تو یہ دیار نہ بستا دکھائی دے

جنس ہنر کو کوئی خریدار ہے فراز
ہیرا، کہ پتھروں سے بھی سستا دکھائی دے

غزل

یہ دل کا چور کہ اس کی ضرورتیں تھیں بہت
وگرنہ ترکِ تعلق کی صورتیں تھیں بہت

ملے تو ٹوٹ کے روئے نہ کھل کے باتیں کیں
کہ جیسے اب کے دلوں میں کدورتیں تھیں بہت

بھلا دیئے ہیں ترے غم نے دکھ زمانے کے
خدا نہیں تھا تو پتھر کی مورتیں تھیں بہت

دریدہ پیرہنوں کا خیال کیا آتا؟
امیر شہر کی اپنی ضرورتیں تھیں بہت

فراز دل کو نگاہوں سے اختلاف رہا
وگرنہ شہر میں ہم شکل صورتیں تھیں بہت

غزل

سائے کی طرح نہ خود سے رم کر
دیوار کو اپنا ہم قدم کر

اپنے ہی لیے بہانہ دریا
اوروں کے لیے بھی آنکھ نم کر

تکمیل طلب نہیں ہے منزل
طے راہ وفا قدم قدم کر

اے پچھلی رُتوں کو رونے والے
آنے والے دِنوں کا غم کر

ممکن ہو تو تیشۂ ہنر سے
ہر پارۂ سنگ کو صنم کر

ہے چشم براہ ایک دنیا
پتھر کی طرح نہ بیٹھ جم کر

یہ راہ جنوں ہے اس میں پیارے

ممکن ہو تو احتیاط کم کر

اے قصر جہاں یہ تیرا معمار
تو ہاتھ فراز کے قلم کر

غزل

دولت درد کو دنیا سے چھپا کر رکھنا
آنکھ میں بوند نہ ہو دل میں سمندر رکھنا

کل گئے گزرے زمانوں کو خیال آئے گا
آج اتنا بھی نہ راتوں کو منور رکھنا

اپنی آشفتہ مزاجی پہ ہنسی آتی ہے
دشمنی سنگ سے اور کانچ کا پیکر رکھنا

آس کب نہیں تھی دل کو ترے آ جانے کی
پر نہ ایسی کہ قدم گھر سے نہ باہر رکھنا

ذکر اس کا ہی سہی بزم میں بیٹھے ہو فراز
درد کیسا ہی اٹھے ہاتھ نہ دل پر رکھنا

غزل

یار آتا ہے تو کیوں اس سے گلہ ہوتا ہے
وہ جو اک شخص ہمیں بھول چکا ہوتا ہے

ہم ترے لطف سے نادم ہیں کہ اکثر اوقات
دل کسی اور کی باتوں سے دکھا ہوتا ہے

مل گئے ہو تو چلو رسم زمانہ ہی سہی
ورنہ اب پرسشِ احوال سے کیا ہوتا ہے

اس قدر زہر نہ تھا طنزِ حریفاں پہلے
اب تو کچھ خندۂ یاراں سے سوا ہوتا ہے

سادہ دل چارہ گروں کو نہیں معلوم فراز
بعض اوقات دلاسہ بھی بلا ہوتا ہے

IqbalCyberLibrary
All rights reserved
©2002-2006

چاند اور میں

چاند سے میں نے کہا ! اے مری راتوں کے رفیق
تو کہ سرگشتہ و تنہا تھا سدا میری طرح

اپنے سینے میں چھپائے ہوئے لاکھوں گھاؤ
تو دکھاوے کے لیے ہنستا رہا میری طرح

ضوفشاں حسن تیرا میرے ہنر کی صورت
اور مقدر میں اندھیرے کی ردا میری طرح

وہی تقدیر تیری میری زمیں کی گردش
وہی افلاک کا نخچیر جفا میری طرح

تیرے منظر بھی ہیں ویراں میرے خوابوں جیسے
تیرے قدموں میں بھی زنجیر وفا میری طرح

وہی صحرائے شب زیست میں تنہا سفری
وہی ویرانۂ جاں دشت بلا میری طرح

آج کیوں میری رفاقت بھی گراں ہے تجھ کو
تو کبھی اتنا بھی افسردہ نہ تھا میری طرح

چاند نے مجھ سے کہا! اے میرے پاگل شاعر
تو کہ محرم ہے میرے قریۂ تنہائی کا

تجھ کو معلوم ہے جو زخم میری روح میں ہے
مجھ کو حاصل ہے شرف تیری شناسائی کا

موجزن ہے میری اطراف میں اک بحر سکوت
اور چرچا ہے فضا میں تیری گویائی کا

آج کی شب میرے سینے پہ وہ قابیل اترا
جس کی گردن پہ دمکتا ہے لہو بھائی کا

میرے دامن میں نہ ہیرے ہیں نہ سونا چاندی
اور بجز اس کے نہیں شوق تمنائی کا

مجھ کو دکھ ہے کہ نہ لے جائیں یہ دنیا والے
میری دنیا ہے خزانہ میری تنہائی کا

غزل

وارفتگی میں دل کا چلن انتہا کا تھا
اب بت پرست ہے جو نہ قائل خدا کا تھا

مجھ کو خود اپنے آپ سے شرمندگی ہوئی
وہ اس طرح کہ تجھ پہ بھروسہ بلا کا تھا

وار اس قدر شدید کہ دشمن ہی کر سکے
چہرہ مگر ضرور کسی آشنا کا تھا

اب یہ کہ اپنی کشت تمنا کو روئیے
اب اس سے کیا گلہ کہ وہ بادل ہوا کا تھا

تو نے بچھڑ کر اپنے سر الزام لے لیا
ورنہ فراز کا تو یہ رونا سدا کا تھا

غزل

لگا کے زخم بدن پر قبائیں دیتا ہے
یہ شہر یار بھی کیا کیا سزائیں دیتا ہے

تمام شہر ہے مقتل اسی کے ہاتھوں سے
تمام شہر اسی کو دعائیں دیتا ہے

کبھی تو ہم کو بھی بخشے وہ ابر کا ٹکڑا
جو آسمان کو نیلی ردائیں دیتا ہے

جدائیوں کے زمانے پھر آ گئے شاید
کہ دل ابھی سے کسی کو صدائیں دیتا ہے

غزل

چلے تھے یار بڑے زعم میں ہوا کی طرح
پلٹ کے دیکھا تو بیٹھے ہیں نقش پا کی طرح

مجھے وفا کی طلب ہے مگر ہر اک سے نہیں
کوئی ملے مگر اس یار بے وفا کی طرح

مرے وجود کا صحرا ہے منتظر کب سے
کبھی آ جرس غنچہ کی صدا کی طرح

ٹھہر گئی ہے محبت کہاں کہ مدت سے
نہ ابتدا کی طرح نہ انتہا کی طرح

وہ اجنبی تھا تو کیوں مجھ سے پھیر کر آنکھیں
گزر گیا کسی دیرینہ آشنا کی طرح

فراز کس کے ستم کا گلہ کریں کس سے
کہ بے نیاز ہوئی خلق بھی خدا کی طرح

غزل

یہ کیا کہ سب سے بیاں دل کی حالتیں کرنی
فراز تجھ کو نہ آئیں محبتیں کرنی

یہ قرب کیا ہے کہ تو سامنے ہے اور ہمیں
شمار ابھی سے جدائی کی ساعتیں کرنی

کوئی خدا ہو کہ پتھر جسے بھی ہم چاہیں
تمام عمر اسی کی عبادتیں کرنی

سب اپنے اپنے قرینے سے منتظر اس کے
کسی کو شکر کسی کو شکایتیں کرنی

ہم اپنے دل سے ہیں مجبور اور لوگوں کو
ذرا سی بات پہ برپا قیامتیں کرنی

ملیں جب ان سے تو مبہم سی گفتگو کرنا
پھر اپنے آپ سے سو سو وضاحتیں کرنی

یہ لوگ کیسے مگر دشمنی نبھاتے ہیں

ہمیں تو راس نہ آئیں محبتیں کرنی

کبھی فراز نئے موسموں میں رو دیتا
کبھی تلاش پرانی رفاقتیں کرنی

IqbalCyberLibrary
All rights reserved
www.IqbalCyberLibrary
©2002-2006

غزل

فقیہ شہر کی مجلس سے کچھ بھلا نہ ہوا
کہ اس سے مل کر مزاج اور کافرانہ ہوا

ابھی ابھی وہ ملا تھا ہزار باتیں کیں
ابھی ابھی وہ گیا ہے مگر زمانہ ہوا

وہ رات بھول چکو وہ سخن نہ دہراؤ
وہ رات خواب ہوئی وہ سخن فسانہ ہوا

کچھ اب کے ایسے کڑے تھے فراق کے موسم
تری ہی بات نہیں، میں بھی کیا سے کیا نہ ہوا

ہجوم ایسا کہ راہیں نظر نہیں آتیں
نصیب ایسا کہ اب تک تو قافلہ نہ ہوا

شہید شب فقط احمد فراز ہی تو نہیں
کہ جو چراغ بکف تھا وہی نشانہ ہوا

THE END........ختم شد ....